www.KitaboSunnat.com

حافظ صلاح الدین یوسف

سپریم کورٹ شریعت اپلیٹ بنچ کے سوالات کے جوابات

☆سوال نمبر۱: ربا کی حقیقت، تعریف اور معنویت کیا ہے؟

جواب: رِبا عربی زبان کا لفظ ہے اور قرآنِ کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کے لغوی معنی زیادتی، بڑھوتری، اضافے کے ہیں۔ لیکن شرعی اصطلاح میں اس سے مراد مطلق اضافہ اور زیادتی نہیں ہے، بلکہ ایک مخصوص قسم کی زیادتی ہے اور وہ یہ کہ "کسی کو اس شرط کے ساتھ رقم اُدھار دینا کہ واپسی کے وقت وہ کچھ رقم زیادہ لے گا"...... مثلاً کسی کو سال یا چھ مہینے کے لئے ۱۰۰ روپے قرض دیئے، تو اس سے یہ شرط کرلی کہ وہ ۱۰۰ کے ۱۲۰ روپے لے گا۔ مہلت کے عوض یہ ۲۰ روپے جو زیادہ لئے گئے ہیں، یہ سود ہے۔ ورنہ انسان کاروبار کرتا ہے تو وہ سو روپے کے ساتھ عموماً ۲۰، ۲۵ روپے نفع کما لیتا ہے، یا کسی کو سو روپے قرضِ حسن کے طور پر دیتا ہے، دیتے وقت سوائے ہمدردی اور ثواب کے کوئی اور نیت نہیں تھی۔ لیکن قرض لینے والا اپنے طور پر ﴿هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ (سورۂ رحمٰن:۶۰) کے تحت ۱۰، ۲۰ روپے زائد دے دیتا ہے تو یہ دونوں اضافے سود کی ذیل میں نہیں آئیں گے۔ کیونکہ کاروبار اور تجارت ایک جائز فعل ہے، اللہ نے اسے حلال اور مشروع کیا ہے، اور اس کا مقصد ہی نفع کمانا ہے۔ اس لئے تجارت کے ذریعے سے جتنا اضافہ حاصل ہوگا، بشرطیکہ اس میں کسی امر حرام کا اِرتکاب نہ کیا گیا ہو، وہ حلال اور جائز ہوگا۔ اسی طرح قرض دیتے وقت، قرض دینے والے نے زیادتی کی کوئی شرط عائد نہیں کی تھی، صرف اللہ کی رضا کے پیش نظر مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے قرض دیا تھا، اب قرض لینے والا اگر اپنی مرضی سے کچھ رقم زائد دے دے، تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ یہ نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ (صحیح بخاری: باب حسن القضاء) یہ اضافہ بھی سود نہیں ہے۔

بہرحال سود کی تعریف میں وہ اضافہ آئے گا جو شرط کر کے لیا جائے، اور وہ اضافہ بھی صرف مہلت کا عوض ہو۔ یہ ربا النسيئة یا ربا الجاهلية کہلاتا ہے۔ اسے ربا النسيئة اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ادھار پر سود لیا جاتا ہے کہ اس کے معنی ہی، ادھار کا سود ہیں۔ اور اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کا چلن تھا، اس لئے اسے ربا الجاهلية بھی کہا جاتا ہے...... اس کے علاوہ شریعت نے ربا کی بعض مزید صورتوں کو بھی حرام کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل يدا بيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى ، الآخذ والمعطى فيه سواء (مسلم، المساقاة، باب الصرف و بيع الذهب بالورق نقداً)

"سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے، یہ برابر برابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ (نقد) ہوں۔ (تب ان کا باہمی تبادلہ جائز ہے) جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا، تو اس نے سودی معاملہ کیا، لینے اور دینے والا دونوں اس میں برابر ہیں" (صحیح مسلم: حدیث نمبر ۱۵۸۴)

اس حدیث کی رو سے (مثلاً) گندم کا تبادلہ گندم سے کرنا ہے، تو ایک تو وہ برابر برابر ہو دوسرے ہاتھوں ہاتھ (نقد) ہونا بھی ضروری ہے۔ اس میں کمی بیشی ہوگی تب بھی اور ہاتھوں ہاتھ (نقد) ہونے کی بجائے ایک نقد اور دوسری ادھار یا دونوں ہی ادھار ہوں، تب بھی یہ سود شمار ہوگا۔ تاہم ایک جنس کا دوسری جنس سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے، بشرطیکہ دست در دست (ہاتھوں ہاتھ) ہو

غرض شریعت میں ربا کا اطلاق "بیع میں ایک جیسی دو چیزوں کے تبادلے میں کسی ایک چیز میں ہو یا قرض کی واپسی کے وقت اصل چیز یا رقم میں ہو۔" پر ہوتا ہے ..... اس کی دو صورتیں ہیں

(۱) ربا الفضل: ایک جیسی دو چیزوں کے تبادلے کے وقت ایک چیز کے عوض میں زیادہ لینا☆

(۲) ربا النسیئة: ایک جیسی دو متبادل چیزوں میں سے کسی ایک کا زیادہ معاوضہ لینا، مگر ایک مقررہ مدت کے بعد۔

یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ سودی معاملے میں کسی قسم کا تعاون بھی لعنت اور غضبِ الٰہی کا باعث

☆ ربا الفضل کی مختلف صورتیں: ہر مال کا ایک وصف عام ہوتا ہے، اس اعتبار سے اسے جنس کہا جاتا ہے اور ایک وصف خاص ہوتا ہے، جسے صنف (قسم) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے غلہ جات ہیں، یہ اپنے وصف عام (کہ ان کو کھایا جاتا ہے) کے اعتبار سے ایک جنس ہیں۔ یعنی کھانے والی جنس۔ لیکن وصف خاص کے اعتبار سے غلہ جات کی کئی صنفیں (قسمیں) ہیں جیسے چاول، جو، گندم، مکئی، جوار وغیرہ۔ یہ سب وصف عام کے اعتبار سے ایک جنس ہیں: جنس مطعومات، لیکن اپنے اپنے خاص اوصاف کے اعتبار سے یہ الگ الگ قسمیں ہیں۔ چاول ایک قسم ہے، گندم ایک قسم، جوار ایک، مکئی ایک، منقی ایک، نمک ایک وغیرہ۔ ہر کھانے والی چیز کو اس پر قیاس کر کے اس میں شامل کیا جاسکتا ہے چاہے وہ ماپ کر فروخت ہوتی ہو یا تول کر...... ایک مال کی قسم وہ ہے جسے ثمن کہا جاتا ہے جیسے سونا، چاندی ہے اور اسی پر آج کل قیاس کیا جاسکتا ہے: سکے، کرنسی نوٹ، چیک اور کمپنیوں کے شیئرز (حصے) وغیرہ کو۔

شریعت میں ان دونوں قسموں کی بابت احکام وارد ہیں۔ حدیث میں جن چھ چیزوں کا ذکر ہے وہ ان دونوں قسموں کو حاوی ہیں: سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک۔ بعض ائمہ نے سودی معاملات کو صرف ان چھ چیزوں تک محدود رکھا ہے، باقی دیگر چیزوں میں وہ کمی بیشی کو سود قرار نہیں دیتے۔ جب کہ اکثر ائمہ و فقہاء نے قیاس کر کے دوسری چیزوں کو بھی شامل کیا ہے۔ مثلاً جو کھانے والی چیزیں ہیں چاہے کَیلی (ماپی جانے والی) ہوں یا وزنی (تولی جانے والی) یا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اس شدت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایسا معاشرہ تعمیر کرنا چاہتا ہے جس کی بنیاد اُخوت، ہمدردی، ایثار و قربانی پر ہو۔ کسی کو مال کی ضرورت ہو، تو اصحابِ اموال ضرورت مندوں کی ضرورت فی سبیل اللہ، اللہ کی رضا کے لئے پوری کر دیں یا پھر قرضِ حسن کے طور پر۔ جب کہ سود کی بنیاد اس کے برعکس خود غرضی، دوسرے کے استحصال اور ظلم پر ہے۔اس میں اصحابِ ثروت کسی ضرورت مند سے اللہ کی رضا کے لئے تعاون پر آمادہ نہیں ہوتے۔ انہیں صرف اپنے مفاد سے غرض ہوتی ہے۔ غریب کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینے کے باوجود ان کی حرص میں کمی نہیں ہوتی۔اسی لئے شریعت نے ہر قسم کے سود کو ممنوع اور حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ ذاتی ضرورت پوری کرنے کے لئے دیئے گئے قرض پر وصول کیا جائے یا تجارتی مقاصد کے لئے حاصل کردہ رقم پر۔

☆ سوال نمبر ۲: کیا "ربا" کی اصطلاح کا بنکوں اور مالیاتی اداروں کے دیئے گئے قرضوں اور ان پر عائد کردہ سود پر بھی اطلاق ہوتا ہے؟

جواب: یہ سوال اس لئے پیدا ہوا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ "قرآن نے جس سود سے روکا ہے، وہ صرف وہ سود ہے جو ذاتی ضروریات کے لئے لئے گئے قرض پر لیا جائے۔ لیکن جو قرض تجارت اور کاروبار کے لئے لیا جائے، اس پر لیا جانے والا سود اس کی ذیل میں نہیں آتا اور نہ وہ ممنوع ہی ہے، کیونکہ نزولِ قرآن کے وقت تجارتی قرض کا رواج ہی نہ تھا"...... لیکن یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔

(سابقہ حاشیہ) جن میں (سونے چاندی کی طرح) ثمنیت پائی جاتی ہے، یا بعض کے نزدیک جن کو ذخیرہ کیا جاسکتا ہو۔اس حساب سے ایک جنس وزنی چیزوں کی ہے یعنی جنہیں تول کر بیچا اور خریدا جاتا ہے۔دوسری جنس کَیلی چیزوں کی ہے جنہیں پیمانوں سے ماپ کر بیچا جاتا ہے اور ایک جنس ان چیزوں کی ہے جنہیں ذخیرہ کیا جاسکتا ہو اور ایک جنس وہ ہے جو ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، جیسے سونا، چاندی، سکے کرنسی نوٹ وغیرہ۔ان اَموال میں سودی اور غیر سودی صورتیں حسبِ ذیل ہونگی

(۱) جب دونوں تبادلوں والی چیزیں جنس اور قسم کے اعتبار سے ایک ہوں گی۔ مثلاً گندم کا گندم سے، چاول کا چاول سے تبادلہ ہو، تو اس میں کمی بیشی بھی حرام ہو گی اور اُدھار بھی۔ان کا برابر ہونا بھی ضروری ہے اور مجلس عقد میں قبضہ بھی ضروری ہے۔

(۲) جب دونوں تبادلوں والی چیزیں جنس کے اعتبار سے ایک ہوں، البتہ قسم کے اعتبار سے مختلف ہوں تو ان میں کمی بیشی جائز ہوگی تاہم اُدھار ناجائز۔ جیسے ایک کلو چاندی کا تبادلہ ایک یا دو گرام سونے کے ساتھ، ایک کلو جو کا سودا آدھا کلو گندم کے ساتھ۔ایک دینار کا تبادلہ تین چار ریالوں کے ساتھ۔اگر یہ سودا نقد ہوگا تو جائز ہے، اس میں اُدھار کرنا صحیح نہیں۔

(۳) جب دونوں تبادلوں والی چیزیں جنس کے اعتبار سے بھی ایک نہ ہوں اور قسم کے اعتبار سے بھی مختلف ہوں تو ان میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار کرنا بھی جائز۔ جیسے (مثلاً) ایک کلو گندم کا ایک گرام سونے سے تبادلہ۔ایک کلو کھجور کا سودا دس یا بیس تولہ چاندی کے ساتھ، ان میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار کرنا بھی جائز۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماء نے بڑی وضاحت اور تفصیل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی دونوں قسم کے قرضے لئے جاتے تھے، ذاتی ضرورت کے لئے بھی اور تجارت وکاروبار کے لئے بھی اور دونوں پر سود لیا اور دیا جاتا تھا اور قرآنِ کریم میں بغیر کسی قسم کی تفریق کے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے، جس کا مطلب ہر قسم کے سود کی ممانعت اور حرمت ہے، چاہے قرض ذاتی ضرورت کے لئے لیا گیا ہو یا تجارت کے لئے۔

اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں ظلم اور خود غرضی کا پہلو پایا جاتا ہے۔ ذاتی ضرورت پر لئے گئے قرض پر سود کا ظلم تو مسلم ہے، لیکن تجارتی قرض پر سود میں بھی ظلم صریح اور بدترین خود غرضی کا پہلو پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے بنک سے یا کسی ساہوکار سے کاروبار کے لئے قرض لیا، لیکن کاروبار چل نہ سکا یا کاروبار میں نقصان ہو گیا۔ لیکن قرض دہندہ تو ہر صورت میں اپنا سود کا مطالبہ جاری رکھے گا، حالانکہ وہاں اصل رقم بھی ڈوب گئی ہے چہ جائیکہ وہ اس کے منافع سے سود ادا کرے۔ لیکن بنک یا سود خور مہاجن کو اس سے کوئی غرض نہیں ہو گی، وہ اصل رقم کے ساتھ اپنا طے شدہ سود بھی ضرور وصول کرے گا۔ اسلام اس ظلم اور خود غرضی کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے؟ اس لئے اسلام میں دونوں قسم کے قرضوں پر سود حرام اور ناجائز ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عرب میں تجارتی مقاصد کے لئے قرض لینے اور دینے کا رواج ہی نہیں تھا، صرف ذاتی ضروریات کے لئے ہی قرض لینے دینے کا معمول تھا۔ اس لئے جو سود حرام کیا گیا ہے، وہ صرف ثانی الذکر قسم کا سود ہے نہ کہ اول الذکر سود۔ کیونکہ پہلی قسم کے سود کا تو وہاں رواج ہی نہیں تھا۔ اس بنا پر وہ صنعت وکاروبار کیلئے لئے ہوئے قرض پر سود کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس کو وہ تجارتی سود سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی بابت کہتے ہیں کہ یہ حرام نہیں ہے، اس سے تو لوگ کاروبار کر کے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں، اگر وہ اس فائدے میں سے تھوڑا سا فائدہ صاحبِ مال کو ایک سالانہ شرح کے حساب سے لوٹا دیں، تو یہ کس طرح ناجائز ہو سکتا ہے، یہ تو صاحبِ مال کا وہ حق ہے جو اپنے مال کی وجہ سے اسے ملنا چاہئے۔ لیکن اوّل تو یہ دعویٰ ہی صحیح نہیں ہے کہ عرب میں تجارتی قرض کا رواج نہیں تھا، عربوں میں تجارتی مقاصد کے لئے بھی قرض لینے دینے کا رواج تھا۔ علاوہ ازیں صنعت وتجارت میں لگے ہوئے سرمائے کی بابت کوئی شخص یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ بہر صورت نفع دے گا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ لاکھوں کروڑوں کا سرمایہ ڈوب جاتا ہے۔ لیکن بنک یا ساہوکار کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی، وہ ہر صورت میں اپنے دیئے ہوئے قرض پر سالانہ شرح سے سود وصول کرنا ضروری سمجھتا اور وصول کرتا ہے۔ کیا یہ ظلم نہیں، خود غرضی نہیں، استحصال نہیں؟ اور اگر نقصان نہ ہو تو یہ سودی قرض گرانی کا باعث بنتا ہے۔ ایک صنعت کار، جتنا سود ادا کرتا ہے، اسے وہ پیداواری لاگت میں شامل کر کے اپنی تیار کردہ اشیاء کی قیمت مقرر کرتا ہے، جس سے عوام کو وہ چیز نسبتاً مہنگے داموں خریدنی پڑتی ہے۔ اس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے اسلام نے ہر قسم کے سود کو حرام کر کے ظلم واستحصال اور گرانی کے ایک بہت بڑے ذریعے اور سرچشمے کو بند کر دیا ہے۔

تجارت اور سود میں فرق ہے: بعض لوگ کہتے ہیں کہ سودی قرض بھی تو ایک تجارت ہے، قرآن نے ان کا یہ قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے: ﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ (البقرہ) بیع بھی تو مثل سود ہی کے ہے، اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا: یہ دونوں چیزیں کس طرح ایک ہو سکتی ہیں۔ بیع کو تو اللہ نے حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام؟ جس سے واضح ہے کہ یہ دونوں ایک نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں تجارت میں تو نقد رقم اور کسی چیز کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے۔ دوسرے اس میں نفع نقصان کا اِمکان رہتا ہے۔ جبکہ سود میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں، تیسرے، تجارت باہم تعاون وتناصر کا نام ہے جبکہ سود خود غرضی، بے رحمی اور سنگ دلی کا۔ چوتھے، تجارت میں رقم اور چیز کے تبادلے کے بعد دونوں ایک دوسرے کے تبادلے کے مالک بن جاتے ہیں اور اس کے بعد ان کا آپس میں کوئی مطالبہ نہیں رہتا۔ جبکہ سود میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ صاحب المال کی طرف سے ہر سال زیادتی کا مطالبہ رہتا ہے جو سالہا سال تک بلکہ بعض دفعہ نسل در نسل چلتا رہتا ہے۔ ان وجوہ سے سود اور تجارت ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔ ایک حلال ہے اور دوسرا حرام۔

لیکن افسوس کہ مسلمانوں میں بھی مغرب کی نقالی میں معیشت کی ساری بنیاد سودی نظام پر قائم ہے اور اس سے بچنے کی کوئی سعی وکاوش اسلامی ملکوں کے مغرب زدہ حکمرانوں کی طرف سے نہیں ہو رہی ہے۔ اسی طرح مسلمان عوام میں بھی اب سود سے بچنے کا کوئی جذبہ نہیں رہا اور ان کی اکثریت بنک کے سود کو وصول کرتی اور کھاتی ہے اور سودی کھاتوں میں شریک ہوتی ہے۔

بنابریں بنکوں اور مالیاتی اداروں کے دیئے قرضوں اور ان پر عائد کردہ سود پر بھی ربا کا اطلاق ہوگا۔ کوئی بھی سودی قرضہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔

☆ سوال نمبر ۳: پاکستانی بنک اور بعض مالیاتی ادارے اپنے گاہکوں کو 'مارک اَپ' پر دوبارہ خریداری کے معاہدوں کی بنیاد پر رقم دیتے ہیں۔ اس طریق کار کے تحت بنک کا گاہک یہ مراد لیتا ہے کہ وہ ایک مخصوص جنس بنک کو فروخت کرتا اور عین اسی وقت اس جنس کو مؤثر ادائیگی کی بنیاد پر زیادہ مدت کے عوض دوبارہ خرید لیتا ہے۔ مارک اَپ کی کوئی شرح (فی صد سالانہ) کا اطلاق دوسری فروخت پر ہوتا ہے۔ کیا یہ معاہدہ "ربا" کے زمرے میں آتا ہے؟

جواب: یہ بھی ایک حیلہ ہے جس کا مقصد سودی نظام کا نام بدل کر اسے جائز قرار دینا ہے۔ اس میں بنک کا گاہک قطعاً کوئی چیز بنک کو فروخت نہیں کرتا، صرف فرض کر لیا جاتا ہے جب کہ ایسا کرنا بھی ممنوع ہے، کیونکہ جس چیز کا عملاً وجود ہی نہیں ہے، اُسے فروخت کرنے کے کیا معنیٰ؟ نبی ﷺ نے قبل

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

القبض (اپنے قبضے میں لینے سے پہلے) کسی چیز کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جب قبل القبض ہی فروخت کرنا جائز نہیں ہے، تو ایک معاملے کو فرض کر کے اس پر بیع و شراء کے احکام کس طرح لاگو ہو سکتے ہیں؟

پھر وہ گاہک (جو اصل میں بنک سے قرض لینے کا خواہش مند ہوتا ہے) بنک سے اپنی (فرضی) فروخت شدہ چیز بنک سے زیادہ مدت کے عوض دوبارہ خرید لیتا ہے (جس کا مطلب دراصل زیادہ رقم کا حصول ہے) اور پھر وہ گاہک بنک کو سود ادا کرتا رہتا ہے جس کا نام مارک اَپ رکھ لیا گیا ہے۔ اصل مقصد بنک سے تجارت کے لئے قرض لینا ہی ہے، لیکن سیدھے طریقے سے ناک پکڑنے کی بجائے، ہاتھ کو پیچھے سے گھما کر ناک پکڑنے کا کام کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ بھی ایک سودی حیلہ ہی ہے جس کا جواز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

☆ سوال نمبر ۴: کیا "ربا" کی حرمت کے معاملے میں ایک مسلمان اور غیر مسلم کے مابین کوئی فرق ہے؟ کیا "ربا" کی حرمت کا دائرہ غیر مسلموں سے لئے گئے قرضوں یا ایسے مسلم ممالک جن کے قوانین اور قومی پالیسیاں بین الاقوامی مالیاتی قوانین اور پالیسیوں سے منسلک نہیں اور جو صدرِ مملکت پاکستان کے کنٹرول میں نہیں ہیں، تک بڑھایا جا سکتا ہے؟

جواب: "ربا" کی حرمت میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ کوئی سودی معاملہ نہیں کر سکتا، اسی طرح ایک مسلمان کسی غیر مسلم کے ساتھ سودی لین دین نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں نے اس میں فرق کیا ہے، ان کے پاس اس کی کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اس قول کو ان کے اپنوں نے بھی تسلیم نہیں کیا ہے۔

علاوہ ازیں اس کی حرمت کا دائرہ ان تمام مالیاتی قوانین اور پالیسیوں تک وسیع ہے جن پر سودی معاملات کا اطلاق ہوتا ہے، چاہے وہ قرضے غیر مسلموں سے حاصل کیے گئے ہوں یا مسلم ممالک سے، چاہے وہ پاکستان کے کنٹرول میں ہوں یا نہ ہوں۔ ان چیزوں سے سود کی حرمت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اصل چیز سود کی وہ تعریف ہے جو پہلے گزری، جو بھی معاملہ اس کی زد میں آئے گا اور اس تعریف کا مصداق قرار پائے گا، اس پر یقیناً حرمت کا اطلاق ہوگا۔

☆ سوال نمبر ۵: حکومتِ پاکستان اور اس کے زیر کنٹرول بعض ادارے بانڈز اور سرٹیفکیٹس وغیرہ جاری کر کے قرضے حاصل کرتے ہیں اور ایسے بانڈز کے حامل افراد کو مقررہ ہر مدت کے بعد منافع ادا کرتے ہیں۔ کیا یہ منافع "ربا" کی تعریف میں آتا ہے؟

جواب: یقیناً ان پر "ربا" کی تعریف صادق آتی ہے کیونکہ یہ قرضے ہیں، کوئی کاروباری شراکت نہیں ہے، اور حکومت یا اس کے ادارے ان پر ایک طے شدہ رقم منافع کے نام سے (فی صد

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سالانہ کے حساب سے) ادا کرنے کے پابند ہوتے ہیں، جب کہ ان کی اصل رقم محفوظ ہوتی ہے، وہ جب چاہیں اپنی رقم لے سکتے ہیں، لیکن جب تک یہ رقم حکومت یا اداروں کے پاس رہے گی، وہ اس پر متعین منافع دیتے رہیں گے۔ یہ وہی قرض کے بدلے میں مہلت کا معاوضہ وصول کرنا ہے، جو خالص سود ہے، اس کا نام منافع رکھ لیا گیا ہے، گویا شراب کی بوتل پر 'روح افزا' کا لیبل چسپاں کر دیا گیا ہے۔

☆ سوال نمبر ۶: یہ امر واضح ہے کہ کاغذ کی کرنسی افراطِ زر کی صورتِ حال میں اپنی قیمت کم کرنے کے رجحان کی حامل ہے۔ ایک قرض دار جو پیپر کرنسی کی اپنی مخصوص رقم اگر بطورِ قرض حاصل کرتا ہے، تو جب وہ یہ رقم ایک طے شدہ مدت کے بعد اپنے قرض خواہ کو لوٹاتا ہے، تو قرض خواہ افراطِ زر کی وجہ سے نقصان اُٹھا سکتا ہے۔ اگر قرض خواہ اپنے قرض دار سے اپنے نقصان کی تلافی کے لئے مزید رقم ادا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، تو کیا یہ مطالبہ سود طلب کرنے کے مترادف قرار دیا جا سکتا ہے؟

جواب: یہ مسئلہ نہایت اہم ہے، کیونکہ جو ملک اقتصادی اور سیاسی استحکام سے محروم ہیں، جن میں بدقسمتی سے پاکستان بھی شامل ہے، وہاں آئے روز افراطِ زر کی صورتِ حال نمودار ہوتی رہتی ہے، جس سے کرنسی کی قدر و قیمت مسلسل گھٹتی ہے۔ اس لئے طویل المیعاد قرضوں پر یقیناً قرض خواہ کو نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ اب اس نقصان کی تلافی کے لئے قرض خواہ اپنے قرض دار سے مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو یہ سود کی ذیل میں تو نہیں آئے گا؟...... یقیناً یہ قابل غور اور اجتہادی مسئلہ ہے اور اس قسم کے مسائل کے حل کے لئے اجتماعی اجتہاد ناگزیر ہے، یعنی عالم اسلام کے جید علماء اور ماہرین معیشت مل کر اس کے تمام پہلوؤں پر غور کریں اور اس کے لئے کوئی اصول اور ضابطہ طے کریں، تاکہ کسی فریق پر بھی ظلم نہ ہو سکے۔ کیونکہ جس طرح ظلم کرنا صحیح نہیں ہے، اسی طرح کوئی دوسرا شخص یا فریق ظلم کا ہدف بن رہا ہو، تو اس کے ازالے کے لئے بھی سعی کرنا ضروری ہے۔ قرآنِ کریم کے حکم ﴿لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ (البقرۃ:۲۷۹) "نہ خود ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے" کا مفاد بھی یہی ہے۔

آج سے ۱۴؍۱۵ سال قبل، شرعی عدالت میں بھی اس قسم کا ایک کیس آیا تھا، جس میں کہا گیا تھا کہ شفعہ کا ایک مقدمہ ۲۰ سال کے بعد انجام کو پہنچا ہے۔ جبکہ ۲۰ سالوں میں کرنسی کی قدر و قیمت بہت گھٹ چکی ہے۔ اب قیمت کی ادائیگی وہی کی جائے جو ۲۰ سال قبل لی گئی تھی، جو کہ گھٹتے گھٹتے برائے نام رہ گئی ہے، یا اب موجودہ حالات کے مطابق اس میں اضافہ کر کے ادائیگی کی جائے، تاکہ مالک کو بھی نقصان نہ ہو؟ اس وقت جسٹس گل محمد (مرحوم) عدالت کے چیف جسٹس تھے، عدالت نے مختلف علماء سے استفسار کیا، راقم نے اس وقت فاضل عدالت کے سامنے جو رائے پیش کی تھی، مناسب معلوم ہوتا ہے، اسے علماء کے غور و فکر کے لئے یہاں دہرا دیا جائے۔ یہ تحریر عدالت میں تو شاید محفوظ ہو گی، لیکن کسی اور جگہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی...... یہ تحریر حسب ذیل ہے:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنسی کی قوتِ خرید میں کمی کا ادائیگی پر اثر: "چند سالوں سے کرنسی نوٹ اپنی مالیتی اعتبار سے جس غیر یقینی صورتحال سے دوچار ہے، اس کے پیش نظر زیر بحث مسئلہ فی الواقع سنجیدہ غور و فکر کا مستحق ہے۔ علماء کو اجتماعی غور و فکر اور بحث و تمحیص کے ذریعے سے اس کا شرعی حل پیش کرنا چاہئے...... اس سلسلے میں راقم کی رائے حسب ذیل ہے:

کرنسی نوٹ موجودہ دور میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ سونے چاندی کے سکوں کی بجائے اب یہی نوٹ اس کے متبادل بن گئے ہیں۔ لین دین اور مالی معاملات کی اساس بھی یہی نوٹ ہیں، اس لئے بعض علماء تو اس کو عرفاً ثمن تک کا درجہ دیتے ہیں جس طرح کہ سونا چاندی اپنی اصل کے اعتبار سے ہی ثمن ہیں۔ لیکن کرنسی کی تمام تر اہمیت کے باوجود اسے بعینہٖ سونا چاندی کی طرح بطورِ ثمن سمجھ کر سونا چاندی والا حکم اس پر لاگو کرنا بعض علماء کے نزدیک صحیح نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سونا اور چاندی دونوں کا زکوٰۃ کے لئے نصاب متعین ہے جب کہ کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ ادا کرنی ہو تو اس کے لئے کوئی متعین نصاب نہیں ہے، نہ ہی اس کا تعین ممکن ہے۔ کیونکہ کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ کے لئے پہلے سونے یا چاندی (بہ اختلافِ علماء) کے متعین نصاب کی کرنسی کے اعتبار سے قیمت متعین کی جائے گی اور پھر اس کے بعد اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی، جس میں ہر سال کمی بیشی کا امکان ہی نہیں، ایک حقیقت اور واقعہ ہے۔

مثلاً اگر کرنسی نوٹوں کے لئے سونے کے نصاب کو بنیاد بنایا جائے (جیسا کہ علامہ یوسف قرضاوی وغیرہ علماء کا خیال ہے) تو ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت کرنسی کے اعتبار سے ہوگی۔ اتنی مالیت کے کرنسی نوٹ اگر کسی کے پاس زائد از ضرورت ایک سال تک موجود رہیں تو پھر ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی، مثال کے طور پر اس وقت سونا ۶۰۰۰ روپے فی تولہ ہے تو ۴۵ ہزار کے کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ (شروطِ مقررہ کے مطابق) اس کے مالک پر عائد ہوگی، اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، لیکن سال دو سال بعد سونا ۶ کی بجائے ۷ ہزار روپے فی تولہ ہو جائے تو پھر ۴۵ ہزار روپے پر بھی زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔ پھر یہ رقم اس سے بھی زیادہ ہوگی تب قابل زکوٰۃ ہوگی۔ یوں سونے کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ کرنسی نوٹوں کی شرحِ نصاب میں بھی ردّ و بدل ہوگا۔

یہی صورتحال کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ چاندی کے نصاب سے وابستہ کرنے کی صورت میں بھی پیش آئے گی۔ جیسا کہ پاک و ہند کے علماء نے چاندی کے نصاب کو ہی کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ کے لئے بنیاد بنایا ہوا ہے اور اس اعتبار سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت اس کا نصاب ہے۔ اگر اتنی چاندی ۶ ہزار کرنسی نوٹوں میں آتی ہے تو ۶ ہزار کی رقم کرنسی نوٹوں کے لئے زکوٰۃ کا نصاب ہوگی۔ اگر ۷ ہزار میں ساڑھے باون تولہ چاندی آئے گی تو ۷ ہزار روپے ہوگا، ۸ ہزار میں آئے گی تو ۸ ہزار نصاب ہوگا۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سونے چاندی کی طرح کرنسی نوٹوں کا کوئی متعین نصاب

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے، اس لئے شرعی طور پر یہ سونا چاندی کی طرح ثمنیت کے حامل نہیں سمجھے جاسکتے اور جب ان کی حیثیت بالکل سونے چاندی کی طرح نہ ہوئی تو اُصولی طور پر لمبے مالی معاہدات میں کمی بیشی کا جواز تسلیم کیا جانا چاہئے تاکہ کسی ایک فریق کو نقصان نہ اٹھانا پڑے۔

بنابریں حکومت اگر کوئی ایسا قانون یا اُصول وضع اور متعین کرتی ہے کہ جس کی رو سے مالی معاہدات میں کرنسی کی قیمت کے اُتار چڑھاؤ کا اعتبار کیا جاسکے تو شرعاً اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک عرصہ گزر جانے کے بعد کرنسی کی قیمت میں خاطر خواہ کمی آجاتی ہے جس سے بعض دفعہ بہت سے لوگوں کو خاصا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح اندرونِ ملک عام لوگوں کو بھی خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے جب کہ کچھ دوسرے لوگوں کو خاص منفعت حاصل ہو جاتی ہے ظاہر بات ہے کہ یہ صورتحال لاضَرَر ولا ضِرار (موطأ امام مالک، کتاب البیوع) کے خلاف ہے۔

اسلام کے اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ جب کہ کرنسی کی قیمت مسلسل گر رہی ہے تو اس کے لئے حکومت کوئی ایسا اصول اور ضابطہ بھی تجویز کرے جس سے اس سے پیدا ہونے والے نقصان کی تلافی بھی بآسانی ہو سکے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے رٹ گزار کے موقف کی اصولی تائید ہوتی ہے کہ ۲۳ سال میں زمین کی قیمت میں سوفی صد ہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لئے قانونِ حق شفعہ کی زیر بحث شق کو اس طرح تبدیل کرنے کی ضرورت ہے جس سے خریدار کو نقصان نہ اُٹھانا پڑے۔ اس موقف میں بظاہر شرعاً کوئی قباحت نظر نہیں آتی کیونکہ اس طرح ایک فریق کے نقصان کا ازالہ مقصود ہے جو مستحسن امر ہے۔ تاہم یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حکومت کی طرف سے جب تک اس کے لئے کوئی اصول اور ضابطہ تجویز نہیں کر دیا جاتا، اس وقت تک عام لین دین عام معمول اور عرف کے مطابق کرنا ضروری ہے اور وہ عرف فی الحال یہی ہے کہ جتنی تعداد کے کرنسی نوٹوں میں سودا طے ہوا تھا یا معاہدہ ہوا تھا، اتنی ہی تعداد کے نوٹ وصول کرنے کا فریق ثانی حقدار ہوگا۔ کرنسی کی قیمت میں کمی کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ کسی اصول اور ضابطے کے بغیر مذکورہ اجازت مفاسدِ کثیرہ اور نزاعات کا باعث ہوگی تاہم عدالتیں خصوصی کیسوں میں مذکورہ شرعی گنجائش کی روشنی میں کرنسی کی قیمت میں کمی سے پیدا ہونے والے نقصان کے اِزالے کا فیصلہ کرسکتی ہیں جیسا کہ زیر بحث مقدمہ میں بھی اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

☆ سوال نمبر ۷: اگر سود یا مارک اَپ کی تمام اقسام اسلامی احکامات کے خلاف قرار دے دی جائیں تو آپ فنانسنگ کے کیا طریقہ ہائے کار تجویز کرتے ہیں:

(الف) تجارت اور صنعت کی فنانسنگ　　(ب) بجٹ کے خسارے کی فنانسنگ

(ج) بیرونی قرضوں کا حصول　　(د) اسی نوعیت کی دیگر ضروریات اور مقاصد

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب: اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سود یا مارک اَپ کی تمام قسمیں حرام ہیں۔ لیکن اس کے لئے متبادل صورتیں کیا یا کیا کیا اختیار کی جاسکتی ہیں؟ یہ بہت تفصیل طلب مسئلہ ہے۔ اسے یہاں بیان نہیں کیا جاسکتا، علاوہ ازیں علماء اس کی تفصیلات بھی کماحقہ بیان نہیں کرسکتے، کیونکہ یہ ان کا میدان نہیں ہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ علماء اور ماہرین معیشت باہم مل کر اس کا حل تلاش اور متبادل تجویز کرسکتے ہیں۔ بلکہ بہت سے حل اور تجاویز پہلے بھی مرتب ہوچکی ہیں جو کتابوں اور رپورٹوں کی شکل میں موجود ہیں۔ خود اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی اس مسئلے کے حل کے لئے ماہرین معیشت کے مشوروں سے ایک رپورٹ تیار کی تھی جو موجود ہے، اس کے علاوہ بھی اسلامی بنکاری یا اسلامی معیشت کے نام سے بہت سی کتابیں تحریر شدہ موجود ہیں، جن میں اسی مسئلے پر بحث کی گئی ہے کہ سود سے بچ کر کس طرح ہم اپنے اقتصادی ڈھانچے کو استوار کرسکتے ہیں۔ نیت اگر صاف ہو اور سود سے بچنے کا جذبہ اور داعیہ قوی ہو، تو ابتدائی طور پر ان خاکوں اور تجاویز کو سامنے رکھ کر غیر سودی نظام کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ ابتداء میں یقیناً مشکلات آئیں گی، صدیوں سے بنے بنائے نظام کی جگہ ایک نیا نظام قائم کرنا بلاشبہ جان جوکھوں کا کام ہے، لیکن جو قومیں عزم اور جذبے سے سرشار ہوتی ہیں، وہ مشکلات کو خاطر میں نہیں لاتیں، بلکہ تیشہ فرہاد سے جوئے شیر نکال کر دکھا دیتی ہیں۔ ہم بھی اگر ابتدائی مشکلات سے گھبراتے اور ڈرتے رہے، جو یقیناً پیش آئیں گی، تو کبھی بھی یہ معرکہ سر نہیں کرسکیں گے۔ اس کے لئے پھر صدیاں بھی ناکافی ہوں گی۔ لیکن ہم اللہ پر بھروسہ کرکے اور ایمانی عزم و جذبہ سے سرشار ہو کر یہ تہیہ کرلیں کہ ہم نے اس سودی نظام سے نجات حاصل کرنی ہے۔ تو یقیناً چند سالوں میں بھی ہم اس میں کامیابی حاصل کرسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بھی وعدہ ہے کہ "جو ہماری راہ میں کوشش کرتا ہے ہم اس کیلئے راہیں کھول دیتے ہیں"
﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت:٦٩)

تاہم اس میں کامیابی کے لئے بیک وقت دو محاذوں پر ہمیں سخت محنت اور جدوجہد کرنی پڑے گی۔ ایک محاذ قوم کی اِصلاح و تربیت اور کردار سازی کا ہے، جس سے ہمارے حکمران بالکل ہی غافل ہیں۔ حالانکہ اسلام کا پودا اسلام کی سرزمین پر ہی نشوونما پاسکتا ہے، غیر اسلامی آب و ہوا میں ہرگز نہیں پنپ سکتا۔ اس وقت ہماری قوم سچائی، امانت و دیانت اور دیگر اَخلاقی خوبیوں سے یکسر محروم ہے، الا ماشاء اللہ۔ اور اسلامی نظامِ معیشت کا پودا سچائی اور امانت و دیانت کی سرزمین پر ہی لگ سکتا ہے، جب تک قوم کے اندر یہ وصف اور خوبی پیدا نہیں ہوگی، اس وقت تک غیر سودی نظام کا پودا یہاں لگ سکتا ہے نہ نشوونما ہی پاسکتا ہے۔ اس کے لئے تعلیمی نصاب بدلنا ہوگا، تعلیمی اداروں میں اسلامی روح پھونکنی ہوگی، اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن ان سب کا قبلہ درست کرنا ہوگا، ان سب کا قبلہ اس وقت بالکل مخالف سمت میں ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے نمبر پر اسلامی معیشت کے اُصولوں پر اپنے بنکاری نظام کو استوار کرنا ہے، اس سلسلے میں اب تک فکر و نظر کے دائرے میں جو کام ہوا ہے، اس سے استفادہ کیا اور اسے بنیاد بنایا جائے۔ لیکن چونکہ عمل کا میدان، فکر و نظر سے مختلف ہے۔ ممکن ہے عمل کے میدان میں نئی صورتیں پیش آئیں، جن کا حل پہلی رپورٹوں اور خاکوں میں نہ ہو۔ تو اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دل میں اخلاص ہو اور جذبہ صادق ہو، تو قدم قدم پر رہنمائی ملتی رہے گی، راستے میں پہاڑ آئیں گے تو وہ بھی راستہ دینے پر مجبور ہوں گے، سمندر آئیں گے تو انہیں بھی عبور کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ مخالفتوں کی باد تند بھی اپنا رخ بدل لے گی اور اغیار کی سازشوں کے طوفان بھی آہنی عزم کی چٹان سے ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے۔ شرط صرف ایک ہی ہے: ایمان، عزم اور قوتِ عمل سے سرشاری۔

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آلِ عمران:۱۳۹)

سرمایہ کاری کی چند متبادل صورتیں: ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بنک موجودہ سودی طریقہ چھوڑ کر اگر نفع نقصان کی بنیاد پر مضاربت کا طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس میں کامیابی کی کوئی اُمید نہیں۔ کیونکہ اس طرح اکثر لوگ کاروبار میں نقصان ظاہر کر کے بنک کی ساری رقم ہڑپ کر جائیں گے۔

موجودہ حالات میں بنک والوں کی یہ بات ایسی نہیں کہ اسے اہمیت نہ دی جائے اور اسے یوں ہی مذاق میں اُڑا دیا جائے، بلکہ قومی اَخلاق کی پستی اور کردار کی زبوں حالی اس انتہا کو پہنچی ہوئی ہے کہ بنک والوں کی بات کو ردّ نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم اس کے باوجود ہم عرض کریں گے کہ قوم کو اس اَخلاقی پستی سے نکالنے کی ذمے داری بھی تو حکومت کی ہے، وہ اس طرف بھی بھرپور توجہ دے تاکہ اِقتصاد و معیشت کی بنیاد بھی صحیح ہو سکے۔

لیکن تعلیم و تربیت اور اصلاح، یہ وسیع المیعاد پروگرام ہے، اوّل تو اس کی طرف کسی کی توجہ ہے نہ مستقبل قریب میں بظاہر کسی حکومت سے اس بارے میں اچھی اُمید ہی وابستہ کی جاسکتی ہے۔ اس لئے بنک کے لئے فی الحال کچھ متبادلات ہیں، جن پر بنک سرمایہ کاری کر کے لاکھوں، کروڑوں کا نفع حاصل کر سکتا ہے۔

مثلاً جس صنعت و کارخانے وغیرہ کے لئے بنک رقم مہیا کرے، تو بنک اس کی مؤثر نگرانی کے لئے اپنے چند آدمی بھی اس میں رکھوا سکتا ہے، یہ نگرانی اور بندوں کی تقرری معاہدے کا باقاعدہ حصہ ہو، تو بنک کے ساتھ فراڈ کرنا ممکن نہیں رہے گا۔

(۲) بنک قابل کاشت زمینیں خرید کر ان پر سرمایہ کاری کریں اور مزارعت یا نقد ٹھیکے پر وہ زمینیں کاشت کرنے والوں کو دیں۔ یہ مزارعت اور نقد ٹھیکہ جائز ہے، بنک اس کاروبار کے ذریعے سے معقول آمدنی حاصل کر سکتے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳) اسی طرح ملک میں زمینوں کا ایک بہت بڑا حصہ بیکار پڑا ہوا ہے، وہ زمینیں بنجر یا ریگستانی ہیں۔ لیکن اگر ان پر سرمایہ کاری کی جائے، تو وہ قابل کاشت ہو سکتی ہیں۔ بہت سے لوگوں نے ذاتی طور پر ایسا کیا ہے تو واقعی اس کے بہت مفید نتائج سامنے آئے ہیں۔ ابھی حال ہی میں "جنگ" کے ایک کالم نگار جاوید چوہدری کا ایک کالم بعنوان...... "چولستان کے دکھ کون سنے گا"...... شائع ہوا ہے، چولستان بہاولپور کا ایک صحرائی اور ریگستانی علاقہ ہے۔ اس علاقے میں ایک صاحب نے چند مربع زمین لے کر اس میں جو جنت ارضی بسائی ہے، وہ حکومت اور بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کرنے والوں، دونوں کے لئے لمحۂ فکریہ اور دعوتِ غور ہے۔ چونکہ ہم نے یہ تجویز پیش کی ہے اور اس کی ایک عملی مثال ہمارے سامنے آئی ہے، اس لئے اس کالم کا یہ متعلقہ حصہ ملاحظے کے لئے پیش خدمت ہے...... کالم نگار لکھتے ہیں:

"چولستان سے واپسی پر ایک عجیب منظر دیکھا۔ ریت کے ٹیلوں، چھدری جھاڑیوں اور آوارہ بگولوں کے عین درمیان جنت کا ایک ٹکڑا تھا۔ زمین پر سبزہ بچھا تھا، گھنے درخت آسمان کی طرف منہ اُٹھائے کھڑے تھے، کپاس بار تھی اور ایک چھوٹی سی نہر ساتھ ساتھ بہہ رہی تھی۔ ہم لوگ وہاں رک گئے۔ میں نے جنت کے رکھوالے سے مالک کا نام پوچھا، اس نے کولہوں پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا "یہ سیٹھ عقیل الرحمٰن کے مربعے ہیں"۔ یہ نام میرے لئے جانا پہچانا تھا میں نے اپنے ساتھیوں سے سیٹھ صاحب کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا سیٹھ عقیل الرحمٰن قومی اسمبلی کے رکن ہیں، حکام کی مہربانی سے چولستان سے ساٹھ ستر مربع اَراضی حاصل کی۔ اسے ہموار کیا اور میلوں دور بہتی نہر کا پانی کاٹ کر ریت کو سونا بنالیا۔ جب یہ داستان سنائی جارہی تھی تو میں سیٹھ عقیل الرحمٰن کا حوالہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ان سے واقف ہوں یا میں نے اُن کے بارے میں سن رکھا ہے۔ ابھی داستان جاری تھی کہ میرے دماغ میں روشنی کا گولہ پھٹا اور میں نے اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا: "کہیں یہ سیٹھ صاحب وہی تو نہیں ہیں" ساتھی نے ہاتھ چھڑا کر جواب دیا "ہاں وہی سیٹھ عقیل الرحمٰن ہیں جو وزیراعظم کو ساتھ لے کر پہنچے، محکمہ آبپاشی کے افسر طلب کرائے اور انہیں پانی چوری کرانے کے جرام میں ہتھکڑیاں لگوادیں" میں نے حیران ہو کر پوچھا "کیا ان کی زمینوں کو سیراب کرنے والا یہ پانی جائز ہے؟" میرے ساتھی نے قہقہہ لگایا اور ٹوپی سیدھی کرتے ہوئے بولا "چودھری صاحب! ناسمجھ بچوں جیسے سوال نہ کیا کریں!!

سیٹھ عقیل الرحمٰن کی تشکیل کردہ جنت سے آگے نکل کر میں نے سوچا، اگر نہر سے پانی کی پتلی سی لکیر نکل کر صحرا کے دوزخ میں فردوس کا یہ ٹکڑا تخلیق کر سکتی ہے تو ایک ذرا سی بڑی آبی لکیر پورے صحرا کو جنت کیوں نہیں بنا سکتی؟ صدیوں سے جگہ بدلتے ٹیلوں اور برسوں سے بوندوں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوترتے بگولوں نے سرگوشی کی "بنا سکتی ہے، بنا سکتی ہے...... لیکن اس لئے ایک دور تک سوچنے والا لیڈر چاہئے"۔ میں نے کہا "ہمارے پاس ایسا لیڈر ہے تو سہی" ٹیلے قہقہہ لگا کر بولے "نہیں نہیں جس لیڈر کے پاس مہر اقبال جیسے لوگوں کے زخموں پر پھائے رکھنے کا وقت نہ ہو وہ لاکھوں سال کی منتظر زمینوں کا دکھ سننے کیلئے فرصت کہاں سے لائے گا۔" (روزنامہ جنگ، لاہور: ۴/ستمبر ۱۹۹۹ء)

(۴) اسی طرح کمپنیوں کے شیئرز ہیں۔ اس میں بھی کاروباری شرکت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس میں اصل خرابی سٹے کا جز شامل ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر قانونی طور پر اس خرابی کو شامل ہونے سے روک دیا جائے، تو شیئرز کے کاروبار سے بھی بنک بہت منافع حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ سرمایہ کاری کی چند مثالیں ہم نے اس لئے دی ہیں کہ اگر مضاربت میں کامیابی کا فی الحال امکان نہیں ہے تو سرمایہ کاری کا یہ واحد میدان نہیں ہے، بلکہ سرمایہ کاری کا میدان بہت وسیع ہے اور بہت سی جائز متبادل صورتیں سوچی اور اختیار کی جا سکتی ہیں۔ اگر سود سے بچنے کا عزم قوی اور داعیہ سچا ہو، تو بہت سی راہیں نکل سکتی ہیں اور اس حرام کاری و حرام خوری سے قوم کو بچایا جا سکتا ہے ورنہ

ع خوئے بدرا حیلہٗ بسیار!

اور اس خوئے بد اور حیلوں بہانوں کا علاج کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ آپ متبادلات کے ڈھیر لگا دیں، خاکوں پر خاکے اور رپورٹوں پر رپورٹیں تیار کر کے دے دیں، ان سے ردّی میں تو اضافہ ہو گا، عمل و اقدام کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہو گا۔ گویا ہمارا اصل مسئلہ متبادل اَساس کا نہیں ہے، وہ تو موجود ہے اور اسے ہم اپنے عزم اور قوتِ عمل سے مزید بہتر اور سازگار بنا سکتے ہیں۔ ہمارا اصل مسئلہ یہ کہ ہمارے اندر ایمانی عزم کی کمی ہے اور ہم حرام خوری سے بچنے کا کوئی جذبہ اور داعیہ ہی نہیں رکھتے۔

☆سوال نمبر ۸: اگر آپ کے خیال میں سود کی تمام اقسام شرعی طور پر حرام ہیں تو حقیقت سے اس کے خاتمے کے لئے آپ کیا طریقہ کار تجویز کرتے ہیں، کیا آپ موجودہ اقتصادی نظام کو فوراً ختم کر دیں گے یا قومی معاشی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تدریجی عمل تجویز کریں گے؟ اگر آپ تدریجی عمل کو ترجیح دیتے ہیں تو آپ اس مقصد کے لئے کیا حکمتِ عملی تجویز کرتے ہیں جو قرآن وسنت کے تقاضوں کے مطابق ہو؟

جواب: حکمتِ عملی کے طور پر تدریج کی اہمیت و ناگزیریت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تدریج کے نام پر عملی اقدامات سے گریز کی تائید بھی نہیں کی جا سکتی۔ یہی تدریج مرحوم ضیاء الحق نے بھی اختیار کئے رکھی، جس سے قوم کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اس لئے تدریج تو ضروری ہے، کوئی نظام بھی راتوں رات نافذ نہیں ہو سکتا۔ ایک بنے بنائے نظام کو، جس کی جڑیں بڑی گہری اور وسیع ہوں، اسے اُکھیڑ کر ایک نیا نظام استوار کرنا، پھر اس کی نشوونما اور استحکام کے لئے آب و ہوا بھی اس کے موافق بنانا (جیسا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ پہلے اشارہ کیا گیا) ایک مناسب تدریج اور حکمتِ عملی کا تقاضا کرتا ہے۔ لیکن اس کے لئے ہمہ جہتی اقدامات، گو تدریج کے ساتھ ہوں، نہایت ضروری ہیں، اس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ کسی ایک شعبے میں جزوی یا نیم دلانہ اقدامات سے کچھ نہیں ہوگا، یہاں تو مکمل آپریشن اور سرجری کی ضرورت ہے، جب تک قوم اس عمل جراحی سے نہیں گزرے گی، کسی بھی شعبے میں کامیابی ممکن نہیں۔

سوال نمبر ۹: اگر تمام معاملات خلافِ شرع ہیں تو ماضی میں کیے گئے معاملات اور معاہدات کا کیا کیا جائے گا؟ خاص طور پر حکومت پچھلے غیر ملکی قرضوں کے معاملے میں کیا طریق کار اختیار کرے گی؟

جواب: جہاں تک اندرونی معاہدات اور معاملات کا تعلق ہے، ان میں سود کا لینا اور دینا فوراً ممنوع قرار دیا جائے۔ تاہم کسی کی اصل رقم پر زد نہ پڑے، وہ ہر صورت میں واپس کی جائے۔ یا پھر یہ رقم مالکوں کی اجازت کے ساتھ غیر سودی معاملات میں شرعی طریقوں کے مطابق استعمال میں لائی جائے اور اس کے نفع نقصان میں ان کو شریک کیا جائے۔ اگر حکومت نے غیر سودی نظام قائم کرنے میں اِخلاص کا ثبوت دیا، تو قوم بھی اس کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار ہوگی، کیونکہ قوم اپنی تمام تر کمزوریوں اور بدعملیوں کے باوجود اسلامی نظام کی خواہش منداور اس کے لئے جذباتی وابستگی رکھتی ہے۔ اس کی اکثریت میں اب بھی اسلام کے لئے قربانی کا جذبہ اور داعیہ موجود ہے، بدقسمتی سے اب تک کوئی حکمران بھی ان کے اس جذبے سے فائدہ نہیں اُٹھا سکا، بلکہ سب نے ان کا استحصال ہی کیا ہے، اس لئے قوم حکمرانوں سے مایوس ضرور ہے، لیکن اللہ سے مایوس نہیں ہے، وہ اب بھی کسی مسلمان مردِ غیب کی منتظر ہے، جس مقتدر ہستی میں اب بھی ان کو امید کی کوئی کرن نظر آئے گی، وہ اس پر اپنا مال ہی نہیں، دل وجان بھی فدا کرنے کے لئے تیار ہوگی۔ کاش کوئی مردے از غیب پیدا ہو اور کارے بکند، کے مصداق کچھ کر کے دکھائے۔

جہاں تک بیرونی قرضوں کا تعلق ہے، یہ ہمارے حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہیں، جن کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ ان قرضوں نے ہم سے ہماری خودی چھین لی ہے، ہماری آزادی کو گروی رکھ دیا ہے، اور ہمیں خوئے غلامی میں پختہ تر کر دیا ہے۔ ان کا سلسلہ یکسر اور فوری طور پر ختم کرنا ضروری ہے۔ تاہم ان کی بھی اصل رقم کی ادائیگی ضروری ہے اور سود کی عدم ادائیگی کا فوری اعلان کر دینا چاہئے۔ ہمارے سامنے کئی ملک ہیں جنہوں نے عالمی بنک اور آئی ایم ایف کے قرضے دینے سے بالکل انکار کر دیا ہے، صرف سود ہی نہیں، بلکہ اصل رقم بھی دینے کے لئے وہ تیار نہیں ہیں۔ جب دوسرے بعض ممالک اتنی جرأت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، تو کیا ہمارے اندر اتنی جرأت بھی نہیں کہ ہم صرف سود ادا کرنے سے انکار کر دیں جو سراسر ظلم ہیں، ہم ظلم کے خلاف بھی لب کشائی نہیں کر سکتے؟ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں کر سکتے؟ غیر ملکی قرضوں کی دلدل سے نکلنے کا یہی واحد طریقہ ہے کہ ہم ایک تو خود

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انحصاری کی پالیسی اپنائیں اور ایک پیسہ بھی قرض نہ لیں اور دوسرے، اس جرأتِ گفتار اور قوتِ کردار کا مظاہرہ کریں کہ سود دینے سے انکار کردیں۔ اگر ہم نے اپنے اندر یہ جرأت اور قوت پیدا کرلی، تو غیر ملکی طاقتیں ہمارا کچھ نہیں کرسکتیں۔ ہمارا موقف عدل و انصاف کے مطابق ہوگا، اس لئے جیت ہماری ہی ہوگی، نہ کہ قرض دینے والی طاقتوں کی، جو دراصل ظالم اور کمزور قوموں کا خون چوس لینے والی ہیں۔

☆ سوال نمبر ۱۰: کیا قرض دینے والا قرض سے متعلق منافع حاصل کرنے کا وقت اور اس کی شرح مقرر کرسکتا ہے جبکہ قرض لینے والا یہ کہہ رہا ہو کہ وہ مطلوبہ روپیہ کمانے اور بروقت رقم لوٹانے کے قابل ان شاء اللہ ہو جائے گا اور اگر اس کے بعد قرض لینے والا رقم کی ادائیگی میں تاخیر کرے تو گارنٹی دینے والا منافع، بونس یا تلافی کے لئے زائد رقم دے سکتا ہے۔ اگر اس صورت حال میں انشورنس کا نظام متعارف کرایا جائے تو اس کی کیا صورت ہوگی اور اس کا جواز ہوگا؟

جواب: یہ سوال کئی سوالات کو متضمن ہے...... اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ قرض دینے والا قرض پر کوئی متعین منافع لے ہی نہیں سکتا، تو اس کی شرح مقرر کرنے کا کیا سوال؟ البتہ قرض کی واپسی کے لئے وقت کا تعین کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ تو قرض دینے والے کا حق ہے کہ وہ اپنی رقم کی واپسی کے لئے وقت کی تعیین اور تاکید کرے۔ لیکن اس رقم پر چونکہ متعین منافع سود کی ذیل میں آتا ہے، اس لئے اس کی شرح کا تعین نہیں کیا جاسکتا، اگر کیا جائے گا تو یہ معاملہ سودی بن جائے گا۔

اسی طرح گارنٹی دینے والا بھی اصل رقم کی واپسی کی گارنٹی دیتا ہے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ لیکن منافع کی گارنٹی دیتا ہے، تو یہ سود کی گارنٹی دینا ہے جو ناجائز ہے۔

اس میں تیسرا مسئلہ انشورنش کے نظام کا ہے، انشورنس کی آج کل بے شمار قسمیں ہیں: قرض کے تحفظ کے لئے انشورنس کا کوئی نظام تجویز کیا جاتا ہے، تو ایسا کرنا جائز ہوگا بشرطیکہ اس کا طریق کار شریعت کے خلاف نہ ہو۔ لیکن اگر اس کا مقصد سودی قرضوں کا تحفظ ہے تو یہ ناجائز ہوگا۔

نیز اس سوال سے اگر مقصد یہ ہے کہ قرضوں کی بروقت ادائیگی نہ کرنے سے دائن کو افراطِ زر کی وجہ سے جو نقصان ہوسکتا ہے، اس کے اِزالے کے لئے کوئی ضابطہ بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب اثبات میں ہے۔ اس کے لئے یقیناً ضابطہ بنایا جاسکتا ہے بلکہ بنایا جانا چاہئے۔ کیونکہ ہمارے ملک میں قرضوں کی وصولی ایک نہایت سنگین مسئلہ ہے۔ دائن تو ضرورت پر قرض دے کر ایک احسان کرتا ہے، لیکن ہماری قوم سخت احسان فراموش ہے، وہ حسن قضاء کی بجائے قرضہ ہی ہڑپ کر جانے کی کوشش کرتی ہے، علاوہ ازیں دوکانداروں اور سرمایہ داروں میں بھی قرضوں کی عدم ادائیگی کا رجحان عام ہے، اس عادتِ بد کی وجہ سے بہت سے صنعت و حرفت سے وابستہ افراد، جو محدود سرمائے کے حامل ہوتے ہیں، اپنا کاروبار ہی بند کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے قرضوں کی بروقت ادائیگی کے لئے اگر کچھ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصول اور ضابطے تجویز کر لئے جائیں تو ان سے یقیناً ان خرابیوں کے ازالے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس کے لئے ایک تو تحریری معاہدہ ضروری قرار دیا جائے، جیسا کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔

دوسرے بروقت ادائیگی نہ کرنے میں جو نقصان ہو سکتا ہے، اس کا ازالہ افراطِ زر کی روشنی میں کیا جائے یا قرضوں کو کسی مستحکم چیز سے وابستہ کر دیا جائے، مثلاً چاندی یا سونے کی قیمت سے یا کسی مضبوط کرنسی سے۔ مثلاً کسی نے پچاس ہزار روپے چھ مہینے یا سال کے وعدے پر لئے، تو اس کے لئے ضابطہ بنایا جا سکتا ہے کہ جس تاریخ کو قرض دیا گیا، اس روز پچاس ہزار اتنے تولے سونے کی مالیت کے حامل تھے، یا اس کے اتنے ڈالر یا پونڈ آتے تھے، ادائیگی کے وقت اتنے ہی تولے سونے کی رقم یا اتنے ہی ڈالر یا پونڈ کی شکل میں وصولی کی جائے۔ کاروباری قرضوں پر بالخصوص ان ضابطوں کا اطلاق کیا جائے، تاکہ کاروباری لوگ بلاوجہ محدود سرمایہ رکھنے والے لوگوں کو پریشان کرنا چھوڑ دیں اور بروقت رقم کی ادائیگی کر دیں اور ادھار بھی کرنا ہو تو اسے زیادہ لمبا نہ کریں۔

اس ضابطے سے یقیناً قرضوں کے ڈوب جانے کے امکانات میں بھی کمی آئے گی اور چھوٹے موٹے کاروباریوں کی مشکلات بھی کم ہوں گی۔ اس کے لئے پھر ایک عدالت کا قیام بھی ناگزیر ہوگا، جہاں ان معاملات کا فیصلہ ہو سکے۔ هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

اہلِ علم سے درخواست

راقم کے تفسیری حواشی بنام 'احسن البیان' جماعت کے علمی حلقوں میں معروف ہیں۔ اللہ نے اسے حسن قبول سے نوازا ہے...... فالحمد لله على ذلك ألف ألف مرة

بہت سے علماء کی خواہش ہے، جس کا اظہار انہوں نے راقم سے کیا کہ اس میں ترجمہ بھی نیا ہونا چاہئے۔ جب کہ اس میں پرانا ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی مرحوم کا ہے۔ چنانچہ راقم نے اللہ کی توفیق سے آج کل قرآن مجید کے لفظی ترجمے کا کام شروع کیا ہوا ہے۔ ترجمے کے ساتھ ہی حواشی پر بھی حسب ضرورت نظر ثانی اور اصلاح و اضافہ کا کام ہو رہا ہے۔ تقریباً ۲۱ پاروں کے ترجمہ و نظر ثانی کی تکمیل ہو گئی ہے۔

اہل علم سے اپیل ہے کہ مطالعے کے دوران 'احسن البیان' میں کوئی علمی سہو یا تسامح ان کے علم میں آیا ہو، تو وہ راقم کو فوری طور پر اس سے آگاہ فرما دیں، تاکہ اس کی اصلاح کر دی جائے۔ نیز اس کی تکمیل کے لئے خصوصی دعا کی بھی درخواست ہے۔ جزاکم اللہ!

۶۸۶۱۱۴۹

حافظ صلاح الدین یوسف مؤلف تفسیر احسن البیان، جامع الحدیث، مدنی روڈ، مصطفیٰ آباد، لاہور، فون

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ